بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

ایک مومن و مسلم کے طرزِ فکر اور سیرت و کردار میں بعض دوسرے امتیازات کے علاوہ ایک نمایاں صفت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ وہ کبھی بھی یاس و قنوط کا شکار نہیں ہوتا۔ دنیا کی اس جنگاہ میں وہ بعض اوقات شکست تو کھا سکتا ہے لیکن یہ شکست نہ تو اُس کی ہمت کو پست کر سکتی ہے اور نہ اُس کے ارادوں کو مضمحل ہی کرنے میں کامیاب ہوتی ہے بلکہ اس کے برعکس یہ انہیں قوت و طاقت فراہم کر کے مضبوط سے مضبوط تر بناتی ہے۔ وہ حالات و واقعات کی نامساعدت سے فطری طور پر متاثر تو ضرور ہوتا ہے لیکن اس سے مفتوح و مغلوب نہیں ہوتا۔ وہ گر کر سنبھلتا ہے، پٹ کر سنتا ہے، چوٹ کھا لینے کے بعد نہ صرف اُسے برداشت کرتا ہے بلکہ مستقبل میں اس قسم کے حادثہ سے بچنے کے لیے مؤثر تدابیر اختیار کرتا ہے اور اس طرح اس کارگہِ حیات میں مخالفتوں اور مخاصمتوں کے علی الرغم ہمیشہ ہمت آزما رہتا ہے۔ ایک مسلمان درحقیقت ایک ایسا چراغ ہے جس کی زندگی کی لَو رجائیت اور امید کے روغن سے جلتی ہے۔ اس کو نہ غیر مساعد حالات کے تند و تیز جھونکے گُل کر سکتے ہیں اور نہ مخالفت کی آندھیاں اور مصائب و آلام کے تھپیڑے اسے بجھانے میں کامیاب ہوتے ہیں بلکہ جس نسبت سے مخاصمتوں کے جھکڑ تیز ہوتے ہیں اسی تناسب سے اس چراغ کی روشنی بھی تیز تر ہوتی چلی جاتی ہے

مسلمان کے فکر و عمل کی یہ کیفیت کسی قسم کے روایتی فلسفہ کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اس بنیادی تصورِ حیات کے رُخِ زیبا کا ایک ہلکا سا عکس ہے جو ایک خدا پر ایمان لانے والا شخص اس کائنات کے بارے میں اختیار کرتا ہے۔ ایک بے خدا آدمی کے نزدیک کائنات کی اصل حقیقت مادہ ہے جو جواہر کے مجموعہ سے عبارت ہے، جن کی تشریح صرف طبیعیات کے اصولِ موضوعہ کے ذریعہ ہی کی جا سکتی ہے۔ اس

عالم میں جو کچھ موجود ہے وہ انہیں لگے بندھے ضابطوں کا پابند ہے۔ دنیا کے حالات و واقعات کسی بلند و بالا ہستی کی مصلحتوں کا نتیجہ نہیں اور نہ کوئی قوتِ حیات ایسی موجود ہے جو مادہ پر کسی قسم کا اثر ڈال سکے کیونکہ مادہ بذاتِ خود اس کائنات کی علتِ اولیٰ ہے۔ اس طرزِ فکر سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انسان اس کائنات کے وسیع و عریض کارخانہ میں ایک عارضی اور اتفاقی شے ہے جو مادہ کی اندھی قوتوں کی تخلیق اور اس کی کرشمہ سازیوں کا محض ایک غیر متعلق تماشائی ہے۔ اُس کی خواہشات اور تمنائیں خواہ کیسی ہی مقدس اور پاک ہوں، بہرحال ہیں مادی۔ اُس کے عزائم اور مقاصد خواہ کتنے ہی ارفع و اعلیٰ ہوں لیکن اُن کی تہ میں کارفرما قوت صرف مادی ہے۔ وہ غلطی سے اپنے آپ کو اس کائنات کا مرکز سمجھتا ہے لیکن یہ اس کی ابلہ فریبی ہے۔ اُس کی اصل حقیقت اس کائنات میں مادی قوتوں کے ہاتھ میں ایک بے بس کھلونے کی سی ہے۔ اُس کے افکار و تصورات، اُس کے اعمال و افعال سب مادہ ہی کے آفریدہ ہیں اور اس لیے اس کا مقدر بھی مادہ کی کارفرمائی پر منحصر ہوتا ہے۔ اس اندازِ فکر کا ایک بالکل قدرتی اثر جو انسانی زندگی پر مرتب ہوتا ہے وہ یہ کہ انسان کے فکر کی پرواز اور اُس کے عمل کی تگ و تاز صرف اس آب و گل کی حد بندیوں تک محدود ہو۔ اگر مادی حالات موافق نظر آئیں تو وہ پُر امید ہو کر چل پڑے لیکن اگر عالمِ اسباب اُس سے آنکھیں پھیرتا ہوا دکھائی دے تو فوراً مایوس ہو کر بیٹھ جائے۔

اس تصورِ حیات کے برعکس چونکہ ایک خدا پرست کائنات کے متعلق ایک بالکل دوسرے نقطۂ نظر کا حامل اور داعی ہے اس لیے مادی حالات اور دنیاوی اسباب و وسائل کے بارے میں بھی اُس کا طرزِ فکر ایک بے خدا شخص سے بالکل الگ اور جداگانہ ہے۔ اُسے یہ بات تو تسلیم ہے کہ اُس کے مادی وجود کا تانا بانا عناصرِ طبیعی کے مجموعہ سے عبارت ہے لیکن وہ اسے ماننے کے لیے تیار نہیں کہ وہ بھی زمان و مکان کے تقیدات کا اسی طرح پابند ہے جس طرح کہ جمادات اور نباتات ہیں۔ شعور و آگہی کی نعمت سے سرفراز ہونے کے بعد وہ کبھی اس چیز کو باور نہیں کر سکتا کہ یہ کائنات صرف مادی اسباب و مؤثرات کا وسیع اور پیچیدہ طلسم ہے اور اس نظامِ تکوینی کے پرے کوئی ایسی ذات

نہیں جس کی منصوبہ بندی کی یہ ساری کائنات رہینِ منت ہے۔ وہ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی مادی دنیا کو سمجھنے سے کہیں زیادہ اس حقیقتِ کبریٰ کا کھوج لگانے کے لیے بے قرار رہتا ہے جس کو جانے اور مانے بغیر اس کا اپنا وجودِ ہستی کی وسعتوں میں بے معنی ہے اور جس کے دیئے ہوئے ضابطۂ حیات کو اپنائے بغیر اس کی ذات کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ وہ اس نظریہ کو یکسر باطل سمجھتا ہے کہ فطرت کی ساری رنگا رنگی محض بخت و اتفاق سے، طبیعی اور کیمیاوی قوتوں کے عمل سے معرضِ وجود میں آگئی ہے اور انسانی شعور سے اس کا تعلق اور ربط محض اتفاقی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک اس کائنات کی قدر و قیمت میں ایک حقیقت ہے جس کا ماخذ و منبع ذاتِ باری ہے، جو اقدار کا سرچشمہ ہے۔ اور جس کی مشیت اس ساری کائنات پر حاوی ہے۔ یہ مظاہرِ قدرت نہ صرف اُس کے وجود کی زندہ شہادت ہیں بلکہ اس کے ارادہ کے پابند بھی ہیں

اس تصورِ حیات کو اپنا لینے کے بعد انسان کے اندر اس غلط خیال کی خود بخود بیخ کنی ہو جاتی ہے کہ وہ مادی حالات و وسائل کے سامنے بے بس اور مجبور ہے اور اُس کا ماحول بالکل میکانکی طور پر اُسے بھیڑ بکریوں کے گلہ کی طرح جس طرف چاہے ہانک کر لے جا سکتا ہے۔ خالق کائنات پر ایمان اس کے اندر نہ صرف خود اعتمادی پیدا کرتا ہے بلکہ اُس کے دل و دماغ میں اس خیال کی بھی تخم ریزی کرتا ہے کہ وہ کائنات کا شاہکار اور اُس کا مرکز و محور ہے۔ وہ اگرچہ رہتا تو مادی دنیا ہی میں ہے لیکن وہ خود کو اس کی جکڑ بندیوں کا اسیر اور غلام نہیں سمجھتا بلکہ ہمیشہ مشیتِ الٰہی کا پابند خیال کرتا ہے۔ وہ پھر مادی ماحول کے سامنے سپر ڈالنے کی بجائے اس کے خلاف صف آرا ہوتا ہے اور اُن موانع پر قابو پانے اور تسخیر کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس پر طبیعی قوانین نے عائد کیے ہیں اور اس طرح اس آب و گل کی دنیا میں اپنے مالک کے منشا اور رضا کے مطابق تصرف کرنا سیکھتا ہے۔ اس طرزِ عمل سے وہ نہ صرف کائنات کی دوسری منفعل ہستیوں سے سربلند اور ممتاز ہوتا ہے بلکہ اپنے آپ کو صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ اس کے اندر خود بخود ایک شانِ استغنا پیدا ہوتی ہے جو اُسے پیمانۂ امروز و فردا سے بے نیاز بنا دیتی ہے۔ اب اُس کے فکر و عمل کی جولانگاہ حواس اور حیات

کی دنیا نہیں رہتی بلکہ اُس کی زد میں وہ مقامات بھی آجاتے ہیں جنھیں لوگ عام طور پر ماورائے سرحدِ ادراک سے تعبیر کرتے ہیں۔ زمان و مکان پھر اُس کے مالک اور مختار بننے کی بجائے اُس کے حلقہ بگوش بن جاتے ہیں اور دورِ آفاق اپنی رفتار کے پیچ و خم کو اُسی کے اشارۂ ابرو کے مطابق متعین کرتا ہے۔

جس شخص کی نظر اسباب کی بجائے مسبب الاسباب پر ہو اور جو اس بدیہی حقیقت کو دل و جان سے قبول کرے کہ کائنات میں جو کچھ موجود ہے وہ سب اُسی ایک ذات کی کرشمہ سازی ہے، اور اُسی ایک کا ارادہ اور اختیار سب پر حاوی ہے، تو وہ بالکل فطری طور پر دنیا کے مال و متاع کو وہ اہمیت نہیں دیتا جو ایک دنیا پرست دیتا ہے۔ اس لیے وہ مادی حالات کی موافقت یا نامساعدت دیکھنے کی بجائے اِس بات کو معلوم کرنے کی فکر کرتا ہے کہ کیا اُس کا خالق و مالک اُس سے راضی ہے یا نہیں۔ جب اُسے ایک بار اس امر کا یقین ہو جائے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی رضا اور منشا کو پورا کر رہا ہے، تو پھر نہ تو وسائل و اسباب کی کمی اس کے حوصلوں کو پست کرتی ہے اور نہ مخالفتوں کا سیلاب ہی اُس کے ارادوں کو شل کرتا ہے۔ وہ دنیا کی اس رزم گاہ میں بے تیغ بھی لڑ جانے کی جرأت رکھتا ہے، وہ بڑے بڑے جباروں اور قہاروں کے مقابلے میں اس بیباکی سے اترتا ہے جیسے کہ اُن کی حیثیت اس کے نزدیک پرِ کاہ کے برابر بھی نہیں، وہ آگ کے الاؤ میں اس اعتماد کے ساتھ کودتا ہے کہ خود اس کی اپنی عقل بھی اُس کی اس جسارت پر حیران و ششدر رہ جاتی ہے، وہ بڑے بڑے ہولناک حالات میں گھر کر بھی اس طرح پُرسکون اور مطمئن رہتا ہے گویا کہ اُس کے سامنے کچھ ہے ہی نہیں۔ اُس کی راہ میں نہ تو صحراؤں کی وسعتیں حائل ہوتی ہیں، نہ پہاڑوں کی بلندیاں۔ وہ سمندر کی موجوں سے بڑی بے پروائی کے ساتھ کھیلتا ہے۔ غور کیجیے کہ آخر اس جرأت رندانہ، اس زبردست اعتماد اور اس لازوال اطمینان کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اس راز سے پوری طرح آشنا ہے کہ یہ سب چیزیں اُس کے آقا کے اُسی طرح اختیار میں ہیں جس طرح کہ خود اُس کی اپنی جان ہے۔ وہ جب چاہتا ہے چشم زدن میں سمندر کا سینہ چاک کر دیتا ہے۔ وہ بڑے بڑے لشکروں کو ٹڈیوں کے غول بھیج کر تباہ کروا دیتا ہے اور جب ارادہ کرتا ہے

تو صنم خانوں سے کعبہ کے پاسباں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ دنیا کے سارے اسباب و وسائل تنہا اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور ان سب پر اُسی کا حکم چلتا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو ماحول کی سازگاری دیکھنے کی بجائے اپنے مالک کو راضی کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ وہ اگر راضی ہے تو پھر سارے جہاں کی مخالفت بھی اُس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتی اور اگر وہ ناراض ہے تو پھر اس دنیا کے سارے اسباب اُس کے کسی کام نہیں آسکتے بلکہ اُس کے لیے مضر اور نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہی وہ اصل وجہ ہے کہ ایک مسلمان مال و متاع جمع کرنے کی بجائے اپنے مالک کی رضا ڈھونڈتا ہے اور انتہائی ناسازگار حالات میں بھی یاس و قنوط میں مبتلا ہونے نہیں پاتا۔

آئیے اب یہ دیکھیں کہ قرآنِ پاک اس حقیقت کو کس طرح ذہن نشین کراتا ہے:

اس نقطۂ نظر سے اگر تعلیماتِ الٰہی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُس نے ذہنِ انسانی میں اس تصور کی آبیاری کرنے کے لیے مختلف انداز اختیار کیے ہیں۔

وہ سب سے پہلے ایجابی طور پر انسان کے دل میں اس خیال کو راسخ کرتا ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا پروردگارِ عالم ہے اور یہاں صرف اسی کا حکم چلتا ہے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (الاعراف۔ رکوع ۷)

درحقیقت تمہارا رب وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر اپنے تختِ سلطنت پر متمکن ہوا۔ جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے۔ سب اس کے فرمان کے تابع ہیں۔ خبردار رہو، اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر۔

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ

وہ ذات جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کی

شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ (الفرقان - ۱)

سلطنت میں کوئی اس کا شریک ہے۔ اُس نے ہر شے کو پیدا کیا ہے اور پھر اُس کے لیے ایک اندازہ ٹھیرا دیا ہے۔

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (الکہف - ۴)

اُس کے سوا بندوں کا کوئی ولی و سرپرست نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا۔

حکم اسی اللہ کا ہے جو بزرگ و برتر ہے۔ وہی تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (الزمر - ۵)

آسمان و زمین کی بادشاہت اسی کی ہے، پھر اسی کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے۔

یہ سب آیات اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا صرف خالق ہی نہیں بلکہ آمر اور حاکم بھی ہے۔ اُسی کا حکم اس کائنات کے گوشے گوشے میں چلتا ہے اور اُسی کی مشیت اور ارادہ کے تحت یہاں سب کچھ ہو رہا ہے۔

اس بات کو ذہن نشین کرانے کے بعد کہ اس دنیا میں صرف خالقِ کائنات ہی ہر چیز کا مالک و مختار ہے اور اسی کا حکم سب پر حاوی ہے، قرآن پاک اپنے ماننے والوں سے اس چیز کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں صرف اُسی ذات پر اعتماد اور بھروسا کریں۔ جب ہم اس معاملہ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطالبہ دراصل اللہ پر ایمان کا بالکل قدرتی نتیجہ ہے۔ جب ایک شخص یہ مان لے کہ اس کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے قبضۂ قدرت میں زندگی کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہے تو اس کے اس ایقان کا بالکل قدرتی تقاضا یہ ہے کہ وہ تنہا اسی ایک ذات پر توکل کرے۔ چنانچہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ (فرقان - ۵)

اسی زندہ ہستی پر بھروسا کر جس کو موت آنے والی نہیں ہے۔

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۔ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ (آلِ عمران ۔ ۱۷)	جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کرو۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو۔ پس اہلِ ایمان کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔
وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ	جو اللہ پر بھروسا کرے گا تو وہ اُس کو کافی ہو گا۔

نبی اکرم سے جو دعائیں مروی ہیں وہ بھی اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ حضور ذات باری تعالیٰ پر بھروسے اور اعتماد کو ایمان کا جزوِ لاینفک سمجھتے تھے۔ سرکار دو عالم کی لاتعداد دعائیں انہیں احساسات کی ترجمانی کرتی ہیں

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ کان یقول۔ اللّٰھم لک اسلمت وبک اٰمنت وعلیک توکلت والیک انبت والیک خاصمت، اللّٰھم اعوذ بعزتک لا الٰہ الا انت ان تضلنی، انت الحی الذی لا تموت، والجن والانس یموتون۔	اے اللہ! میں نے تیرے ہی سامنے سر جھکایا اور تجھی پر ایمان لایا اور تیرے ہی اوپر بھروسا کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی خاطر جھگڑا کیا۔ اے اللہ میں تیری عزت کی پناہ چاہتا ہوں، کوئی معبود تیرے سوا نہیں، تو مجھے بھٹکا نہ چھوڑ دے تو زندہ ہے کبھی نہ مرے گا، جن اور انسان سب مر جائیں گے۔

اسی طرح سونے کے وقت کی دعا بھی اسی قسم کے جذبات سے لبریز ہے:

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اپنے بستر پر آؤ تو کہو۔

اللّٰھم اسلمت نفسی الیک ووجھت وجھی الیک، وفوضت امری الیک و الجأت ظھری الیک رغبۃ ورھبۃ الیک	اے اللہ: میں نے اپنے آپ کو تیرے حوالہ کر دیا، اور اپنا رُخ تیری طرف موڑ لیا، اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کیا، اور اپنی پیٹھ تیرے سہارے لگا دی، میری رغبت

(بقیہ اشارات)

لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ۔

بھی تیری ہی طرف ہے اور خوف بھی تجھی سے ہے۔ تیری پکڑ سے بچنے کے لیے تیرے ہی دامن کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔

عن عُمَرَ رضی اللہ عنہ قال سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لو انکم تتوکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر، تغدو خماصًا وتروح بطانًا (ترمذی)

حضرت عمر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ اگر تم اللہ پر بھروسا کرو جیسا اس پر بھروسا کرنے کا حق ہے تو تم کو وہ اسی طرح رزق دیگا جیسے چڑیوں کو دیتا ہے، صبح کو خالی پیٹ جاتی ہیں اور شام شکم سیر واپس آتی ہیں۔

قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر اس امر کی وضاحت بھی ملتی ہے کہ ایک مومن و مسلم کے لیے حالات کی سازگاری یا ناسازگاری کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ حالات بظاہر کس قدر نامساعد ہی کیوں نہ ہوں لیکن جب خالق کائنات ان کو بدلنے کا ارادہ کر لے تو پھر وہ موید اور معاون بن جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جو واقعہ سورۃ الشعراء میں بیان کیا گیا ہے وہ اس حقیقت پر پوری طرح دلالت کرتا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکر اپنے ملک سے نکلے تو اُن کے تعاقب میں فرعون کی فوجیں بھی بھاگتی ہوئی آگئیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو وہ گھبرا اٹھے اور کہا: إِنَّا لَمُدْرَكُونَ "ہم تو پکڑے گئے"۔ لیکن ان کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے جو خداوند تعالیٰ پر اعتماد کی لازوال نعمت سے مالا مال تھے بڑے اطمینان سے فرمایا: كَلَّا ۚ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ۔ ہرگز نہیں، میرے ساتھ میرا رب ہے جو مجھے راہ بتلائے گا"۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے اعتماد کو پورا کر دکھایا جس کی تفصیل قرآن مجید نے یوں بیان فرمائی ہے:

فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ

پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنا عصا سمندر پر مار۔ پس سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا اس طرح ہو گیا جیسے ایک بڑا

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗ اَجْمَعِیْنَ ۔ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۔

پہاڑ کھڑا ہو۔ اور ہم اسی جگہ دوسروں کو لے آئے، موسیٰ اور اس کے سب ساتھیوں کو بچا نکالا اور دوسروں کو غرق کر دیا۔ اس میں ایک نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ ماننے والے نہ تھے۔ اور تیرا رب وہی ہے بڑا زبردست رحم والا۔

اسی سلسلہ میں دوسرا واقعہ جو قابلِ غور ہے وہ رسالتمآب کی ہجرت ہے۔ جب حضورؐ مکہ سے مدینہ تشریف لے جاتے ہوئے غارِ ثور میں پناہ گزیں تھے تو دشمن عین غار کے سر پہ آ گئے۔ اس حالت پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی سخت خوف لاحق ہوا اور وہ سوچنے لگے کہ اگر ان ظالموں میں سے کسی نے ذرا آگے بڑھ کر غار میں جھانک لیا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ اس موقع پہ اُس ذاتِ مقدس نے بڑے سکون اور اطمینان سے کہا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

ڈرو نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اسی واقعہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کی زبان فیض ترجمان سے یوں نقل فرمایا ہے:

نظرت الی اقدام المشرکین ونحن فی الغار وھم علی رؤسنا، فقلت یارسول اللہ لو ان احدھم نظر تحت قدمیہ لابصرنا۔ فقال ماظنک یا ابا بکر باثنین اللہُ ثالثھما؛ (بخاری۔ مسلم)

میں نے مشرکین کے قدم دیکھے۔ ہم غار میں تھے اور وہ ہمارے سروں پہ۔ میں نے کہا یارسول اللہ اگر ان میں کا ایک شخص بھی اپنے قدموں کی طرف دیکھے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپؐ نے فرمایا: اے ابوبکرؓ تم ایسے دو کے متعلق کیا گمان کرتے ہو جن کا تیسرا اللہ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس سب سے بڑی کامیابی اور کامرانی پر، جو مسلمانوں کو جنگِ بدر میں حاصل ہوئی، یہ ذہن نشین کراتا ہے کہ اس کامرانی میں تمہاری کسی تدبیر کا دخل نہ تھا بلکہ یہ محض اُسی کے فضل سے ہوا کہ تمہیں ایسی شاندار فتح سے نوازا گیا جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتی تھی۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا

یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ کمزوری دکھانے پر آمادہ

وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (آل عمران - ۱۲۳)

ہو گئے تھے، حالانکہ اللہ ان کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسا رکھنا چاہیے۔ آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار ہو گے۔

مندرجۂ بالا آیت میں خداوند تعالیٰ نے بڑے ہی لطیف پیرائے میں مسلمانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ تمہیں جب بھی کسی میدان میں فتح اور کامیابی نصیب ہو تو تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ یہ تمہاری ذاتی کوششوں اور محنتوں کا ثمر ہے بلکہ تمہیں ہمیشہ اس امر کا احساس رہنا چاہیے کہ اس دنیا میں جو کچھ فضل تم پر کیا جاتا ہے وہ محض تمہارے خالق اور مالک کا انعام و اکرام ہے۔ اس لیے تمہیں بجائے اپنی کامیابیوں پر اترانے کے، اس کے حضور میں شکر بجالانا چاہیے اور تم جتنا زیادہ اس کے شکر گزار ہو گے وہ اسی تناسب سے تمہیں اپنے فضل سے نوازتا چلا جائے گا۔

فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ (البقرہ - ۸)

پس اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم کبھی کے تباہ ہو چکے ہوتے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ (الفاطر - ۱)

جو کچھ رحمت بھی اللہ تعالیٰ لوگوں پر کھول دے کوئی اس کو روکنے والا نہیں اور جو کچھ روک رکھے اسے کھولنے کی طاقت بھی اللہ کے بعد کسی میں نہیں ہے اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۔ (ابراہیم - ۱)

اور یاد کرو جبکہ تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو تمہیں اور بھی دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب البتہ شدید ہے۔

معاملہ پھر یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ خداوند تعالیٰ نے مایوسی اور قنوطیت کو ایمان کی عین ضد قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ جو لوگ ان بیماریوں میں مبتلا ہیں وہ چاہے زبان سے نہ کہیں مگر حقیقت میں ان کا بھروسا یا تو اپنی طاقتوں پر ہے، خدا پر ان کی نظر نہیں ہے، یا ان کے نزدیک اُن کا خدا بالکل مجبور اور بے بس ہے جس کا مادی حالات کے سامنے کوئی زور نہیں چلتا، یا پھر وہ سمجھتے ہیں کہ اُس نے اپنی رحمت سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ اس قسم کے خیالات صرف اُسی شخص کے ذہن میں آسکتے ہیں جو یا تو خدا کو ایک با اختیار اور با جبروت ہستی نہیں مانتا یا وہ اُس ذات باری تعالیٰ کے متعلق ایک نہایت ہی تاریک تصور رکھتا ہے:

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (زمر-۶) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

اسی مضمون کو سورۃ الحجر میں ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب بڑھاپے میں بیٹے کی بشارت دی گئی تو آپ بظاہر اس ناممکن بات پر سخت حیران ہوئے اور کہا:

اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ۔ قَالُوْا بَشَّرْنٰکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ۔ قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ۔ (الحجر-۳)

(ابراہیمؑ نے کہا) کیا تم اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو؟ (ذرا سوچو تو سہی کہ) یہ کیسی بشارت تم مجھے دے رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم تمہیں برحق بشارت دے رہے ہیں، تم مایوس نہ ہو۔ ابراہیم نے کہا اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔

سورۂ یوسف میں اسی ناامیدی کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو یوسف علیہ السلام اور اُس کے بھائی کی تلاش میں بھیجتے ہیں تو اُن سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

یٰبَنِیَّ اِذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ

میرے بچو! جا کر یوسف اور اس کے بھائی کی کچھ ٹوہ

وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ط اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف-۱۰)

لگاؤ، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔

یہ سب آیات جو پچھلے صفحات میں درج کی گئی ہیں اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ ایک خدا پرست انسان کو، جو ایک زندہ و جاوید اور صاحبِ اختیار خدا پر ایمان رکھتا ہے، کبھی مایوس نہ ہونا چاہیے۔ اس کا فرض صرف اسی قدر ہے کہ وہ ہر حال میں نتائج سے یکسر بے پروا ہو کر اپنے مولا اور آقا پر بھروسا کرتے ہوئے اس کے منشا کو پورا کرنے کی فکر کرے۔ جس ذات کی بندگی اور اطاعت کو وہ اپنی زندگی کی غایتِ اولیٰ سمجھتا ہے وہ علیم و خبیر ہے، بے پناہ قوت اور طاقت کی مالک ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتی ہے۔ وہ ذات اسے ایسے ایسے راستوں اور طریقوں سے مدد بہم پہنچائیگی کہ ان کے بارے میں اُسے کبھی وہم و گمان بھی نہ گزرا ہو۔ ایک منکرِ خدا جب ماحول کی ناسازگاری دیکھ کر مایوس ہوتا ہے تو اس کی اس کیفیت کی وجہ تو سمجھ میں آسکتی ہے۔ جو شخص ناپائدار دنیا اور اس کے اسباب و وسائل کو اپنا معبود سمجھ بیٹھا ہو، وہ اگر کسی وقت یاس و قنوط کا شکار ہو جائے تو بالکل فطری چیز ہے، لیکن اس چیز کی توجیہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک انسان خدائے لم یزل پر ایمان کا دعویٰ بھی کرے مگر اس کے ساتھ ساتھ حالات کی نامساعدت دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے۔ وہ ایک طرف ایسی ہستی کے وجود کا زبان سے اقرار بھی کرے جو ہر قسم کی حسن و خوبی کا سرچشمہ ہے، ہر کمال کی خالق ہے، سارے موجودات کی مالک اور حاکم ہے، جس کے قوانین اٹل، جس کے ضابطے بے لاگ اور جس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے، مگر دوسری طرف اپنی زندگی میں اصل اور فیصلہ کن چیز دنیاوی مال و متاع کو خیال کرے۔ یہ دورنگی ایک مسلمان کو کسی طرح زیب نہیں دیتی۔ ایک مومن و مسلم کے لیے زندگی گزارنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک کی مدد پر بھروسا رکھے اور ہر کام کو اس احساس کے ساتھ شروع کرے:

حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (التوبہ-۱۶)

میرے لیے بس اللہ ہی کافی ہے کوئی معبود نہیں مگر وہ، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور وہ مالک ہے عرشِ عظیم کا۔

اَفَوِّضُ اَمْرِيْ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ (المومن-۵)

میں اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں بیشک وہ بندوں پر نگاہ رکھنے والا ہے

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ - (ہود-۸)

اور جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے اسی پر میرا بھروسا ہے اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں